رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر (۹)

رجسٹرڈ آصفیہ نمبر (۸۰)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفت وار

مملکت

ایڈیٹر

میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

شرح چندہ
سالانہ .... للعہ
ششماہی .... سے
سہ ماہی .... عہ

شرح چندہ
سالانہ .... للعہ
ششماہی .... سے
سہ ماہی .... عہ

قیمت پرانا پرچہ (۴ ر)

قیمت فی پرچہ (۲ آنے)

جلد (۲) | ۱۵ اردی بہشت ۱۳۵۲ ف | ۱۳ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ | ۲۰ مارچ ۱۹۴۳ء روز شنبہ | نمبر (۴۹)

مشرق وسطیٰ کی سیاست

اداناکانفرنس

از

لیونارڈ کرس چن

اداناکانفرنس کے متعلق بہت کچھ قیاس آرائی ہو رہی ہے۔ ایک بات یقینی ہے اور وہ یہ کہ ترکی کے اقوام متحدہ کی جانب سے شریک جنگ ہونے کی خواہش نہیں کی گئی۔ کانفرنس کے دوران میں اس امر کی جانب اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ اور نہ آئندہ کسی وقت ترکی کو ایسا کرنے کے لئے پابند کیا گیا ہے۔

دوران جنگ میں کئی سال گزرنے کے بعد پہلی مرتبہ ترکی نے اس امر پر اصرار نہیں کیا کہ "غیر جانبداری" یا "معاہدہ" واجبات اور دوستی کے اتفاقات ان کمیونکوں میں شامل کئے جائیں جو اداناکانفرنس کے بعد شائع ہوئے۔ اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ برطانیہ اور امریکہ نے ترکی کے دفاعات کو مستحکم کرنے کے لئے سب کچھ کرنے کا اعلان کیا ہے۔

ترکی کی دفاعی حفاظت سے کیا مراد ہے؟ انقرہ میں واقفیت کار مبصرین کے نزدیک یہ الفاظ اپنے فوری مفہوم سے زیادہ وسعت رکھتے ہیں۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جب مسٹر چرچل جیسے اکابر صدر [illegible] ترکی سے گفتگو کرنے کے لئے ترکی آتے ہیں تو وہ فی الحقیقت کوئی اہم بات کہنا چاہتے ہیں۔ اور جب ایک مکمل کمیونک جاری کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کچھ اہم فیصلے کئے گئے ہیں۔ ہمارے سامنے کئی اشارے موجود ہیں جن کی بنا پر قیاس آرائی کی جاسکتی ہے۔ اولاً دفاعی ضمانت کے الفاظ غور طلب ہیں۔ اس کے بعد خود مسٹر چرچل نے مائیکرس سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مشرق وسطیٰ کا خطرہ رفع ہوگیا اور وہیں فوج کو کسی اور جگہ فرض کی انجام دہی کے لئے منتقل کیا جاسکتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرانے کی عادی ہے۔

مشرق وسطیٰ کی حفاظت۔

دو سال قبل غیر مسلح ترکی جنوب مشرقی یورپ میں جرمنی کے سٹیم رولر کی تیز رفتاری کا مشاہدہ کر رہا تھا اور جوں جوں جرمن خطرہ اس کی سرحدوں سے قریب آرہا تھا اس کو تشویش ہو رہی تھی۔ مگر مارچ ۱۹۴۱ء کو جرمن فوجیں بلغاریہ میں داخل ہوئیں اور یونان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ اور ترکی اپنی باری کا انتظار کرتا رہا۔ مگر اس عزم سے کہ وہ حملے کا مقابلہ کرے گا اور بے فرق کے ساتھ شکست دکھائے گا۔ [illegible] کے حملہ آور کے مقابلہ میں ترکی کے مواقع کچھ زیادہ نہ تھے۔ لیکن اس کے مدبر مصروف کار رہے اور ترکی جنگ سے بچ گیا۔ ترکی حملہ آور کے مقابلہ میں ایک زبردست فصیل بنا رہا اور دول محور کے حملوں کو مشرق وسطیٰ کو محفوظ رکھنے میں مدد دی۔

معلوم ہوتا ہے کہ ترکی کو اب بھی یہی فرض انجام دینا ہے۔ اداناکانفرنس میں اس سے شریک جنگ ہونے کی خواہش نہیں کی گئی۔ اس کے دفاعات کو مضبوط کرنے کے لئے فیصلے کئے گئے تاکہ [illegible] خطرہ باقی نہ رہا اور لیبیا کا خطرہ بھی دور ہوگیا۔ مسٹر چرچل نے (اگرچہ ترکی کا ذکر نہیں کیا) یہ ذہن نشین کرایا ہے کہ ترکی جرمنوں کو اناطولیہ کے راستے آنے کا کبھی موقع نہ دے گا۔ اس خیال کے اظہار سے انھوں نے ترکی کی آئندہ روش کو واضح کردیا ہے۔

بہر حال ترکی کی حالت ایک ایسی بلی کی سی ہے جو ایک کمرے میں بند کردی گئی ہے اور جس کا کوئی شخص ہاتھ میں لکڑی لے کر تعاقب کر رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ایسے حالات میں بلیاں کیا کرتی ہیں۔ وہ تعاقب کرنے والے پر دوبارہ حملہ کر کے رہا ہونے کی کوشش کرتی ہیں۔ پالتو بلی بھی خطرناک اور وحشی بن جاتی ہے۔ اس طرح ایک ترکی خطرناک بن سکتا ہے اور یہ دیکھ کر کہ سارا کھیل بگڑ گیا ہے وہ کسی سمت میں بھی حملہ کرسکتا ہے۔ جیسا کہ وہ اسپین اور [illegible] ہو [illegible] ملک جیسے سویڈن یا ترکی۔ لیکن اگر ترکی کے دفاعات مضبوط کئے جائیں تو وہ حملہ کرنے سے پہلے پھر سوچے گا۔

ترکی اور روس کے تعلقات۔

آج کل ترکی کی پالیسی ۱۹۴۱ء کا ترکی نہیں ہے۔ [illegible]

(باقی صفحہ ۱۱)

مملکت ہفتہ وار

جلد ۲ | ۱۵ امردادی بہشت ۱۳۵۲ف | نمبر ۴۹

ہمارا مالیاتی موقف کیا ہے؟

اُن مسائل میں جن کو جنگ کی پیداوار کہا جاتا ہے روپیہ یا کرنسی کی ہیئات کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ معاشیات کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اگر زیر گشت کرنسی یا سکہ جات کی مقدار میں اضافہ ہو لیکن اُسی مناسبت سے ملک کی زرعی و صنعتی پیداوار میں اضافہ نہ ہو تو ایک طرف روپیہ کی قیمت گھٹ جائے گی اور دوسری طرف اشیاء کی قیمتیں بڑھ جائیں گی۔ ان مصنوعی حالات میں اشیاء کی قیمتوں پر گرانی قائم رکھنا ناممکن ہو جائے گا۔ نہ صرف یہی بلکہ اس کا ایک دوسرا نتیجہ یہ مترتب ہوتا ہے کہ اشیاء کی قیمتوں میں آئندہ اضافہ کی توقع میں تاجروں میں مال روک رکھنے کا ایک رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور صارفین یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنی حیثیتی اور فوری ضروریات سے کئی گنا زیادہ مال ابھی سے خرید رکھیں کہ کہیں قیمتیں آئندہ اور نہ بڑھ جائیں۔ غرض کہ یہ ایک منحوس چکر ہے جس سے چھٹکارا تقریباً محال ہے۔

سنہ ۱۹ء کی عالمگیر جنگ میں یورپ کے بعض ممالک نے حسب ضرورت کرنسی نوٹ چھاپ کر اپنی ضروریات کی تکمیل کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ختم جنگ کے بعد ان کے نوٹوں کی اتنی قیمت بھی نہ رہی جتنی کہ اُس کاغذ کی تھی جس پر وہ نوٹ طبع ہوئے تھے۔

حالیہ جنگ میں ان پچھلے تلخ تجربوں سے بچنے کی سعی ابتداء ہی سے جاری رہی چنانچہ یورپ اور امریکہ میں ایک طرف قیمتوں کو قابو میں رکھا گیا اور دوسری طرف زیر گشت کرنسی میں اور ملک کی معاشی پیداوار میں توازن اور تناسب قائم رکھا گیا۔

ہندوستان میں اس مسئلہ سے متعلق جو صورت حال پائی جاتی ہے وہ بہت زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے اس بات کا علم ہمیں اُن مباحث کے پڑھنے سے ہوا جو سر جیریمی ریزمن کے پیش کردہ حالیہ بجٹ سے متعلق مرکزی اسمبلی میں ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ پروفیسر سی این وکیل، مسٹر جی ڈی برلا اور متعدد ماہرین معاشیات نے حکومت ہند کی موجودہ مالیاتی پالیسی پر برملا اظہار بے اطمینانی کیا ہے۔

ہمیں اس وقت اپنی حکومت سے چند سوالات کرنے ہیں:۔

(۱) حکومت نے سکہ جات اور کرنسی کی زیر گشت مقدار میں جو اضافہ زمانۂ جنگ میں کیا ہے کیا وہ ٹھوس معاشی اصول پر مبنی ہے۔ دوسرے الفاظ میں موجودہ زیر گشت کرنسی کی تقویت کے لئے کافی مقدار میں سونے اور چاندی کے ذخائر موجود ہیں۔

(۲) سکہ جات اور کرنسی کی مقدار میں جو اضافہ ہوا ہے کیا اتنا ہی اضافہ معاشی دولت کی پیداوار (یعنی زرعی و صنعتی) میں ہوا۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معاشی اعتبار سے مملکت آصفیہ کوئی دوسرا جزیرہ نہیں ہے کہ بیرون مملکت کے معاشی مد و جزر سے متاثر نہ ہو لیکن پھر بھی ہمیں اپنے کفلز سے یہ توقع ہے کہ وہ حیدرآباد کی عام معاشی نظم کو بالعموم اور مملکت کے مالیہ کو بالخصوص ان ساری خرابیوں سے دور رکھے گا جو روپیہ کی ہیئات اور اشیاء کی قلت سے پیدا ہوتی ہیں۔

حسن اتفاق سے اس وقت حیدرآباد کے محکمۂ فینانس کی صدارت ایک ایسا شخص کر رہا ہے جس کے آنکھ اور کان ہمیشہ کھلے رہتے ہیں اور جو اپنے فن کا ماہر ہونے کے علاوہ دیانت دار بھی ہے اور نیک نیت بھی۔ ہمیں توقع ہے کہ آنریبل مسٹر غلام محمد اس مسئلہ پر غور فرما کر صحیح صورت حال سے عوام کو واقف کرائیں گے۔

حیدرآباد میں کپڑے کی گرانی اور معیاری کپڑے کا فقدان

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد میں تا ہنوز پارچہ کے عام صارفین کو فطری لباس اختیار کرنے پر مجبور کرنے کی ٹھان لی ہے۔ اور اگر نرخوں کو یہی حال رہا جو اب ہے تو ہمیں اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ متوسط طبقہ نیم برہنہ اور غریب طبقہ بالکل برہنہ ہو جائے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ اشیاء کی قلت سبب جنگی ضروریات مرجع ہیں اور مسائل حمل و نقل محدود ہیں لیکن پھر بھی قیمتوں میں دس گنا اضافہ برداشت کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہو سکتا۔ یہ محض نفع اندوزی ہے جس کو کسی اعتبار سے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کا واحد اور موثر حل یہ ہے کہ فوراً معیاری کپڑے کی دوکانیں ملک کے گوشہ گوشہ میں قائم کر دی جائیں تاکہ عوام اس معاشی لوٹ سے محفوظ رہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ نواب مہدی نواز جنگ بہادر اس جانب سے فوری توجہ مبذول فرمائیں گے کیونکہ غذا کے بعد اگر کوئی مسئلہ اہم ہو سکتا ہے تو وہ تن ڈھانکنے کا مسئلہ ہے۔ یہ حکومت کی فیاضی اور رعایا پروری ہے کہ اس نے دس لاکھ کے سرمایہ سے ایک ایسا تجارتی ادارہ قائم کیا ہے جو عوام کو مناسب قیمت پر بلند اور معیاری کپڑا بہم پہنچائے گا۔ ہم حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کے مساعی کے نتائج دیکھنے کے منتظر رہیں گے۔

موثر اشتراک عمل

اس سال ممالک محروسہ سرکار عالی کے ہر ضلع میں آئندہ دو ماہ کے دوران میں ضلع کانفرنسیں منعقد ہو رہی ہیں جہاں ضلع کی رعایا کے نمائندے ضلع کے عہدہ داروں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے ضلع کے مسائل پر غور کریں گے۔ ہر ضلع کی کانفرنس دو روز تک جاری رہے گی۔ اگر سال گزشتہ کا تجربہ صحیح رہنمائی کرتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کانفرنسوں کی روداد کے اہم اجزاء حسب ذیل ہوں گے:۔

(۱) سب سے پہلے صوبہ دار صاحب مہتمم ضلع کی اقتصادی حالت پر روشنی ڈالیں گے اور حکومت کی اُن سرگرمیوں کا ذکر کریں گے جن کا تعلق فوری تعمیر سے ہے۔

(۲) اُن مختلف رایوں کے جوابات دئے جائیں گے جو رعایا کے نمائندے کریں گے اور ان کے شکوک و شبہات (اگر کوئی ہوں) رفع کئے جائیں گے۔

(۳) رعایا کے نمائندے اپنی ضروریات اور مشکلات پیش کریں گے اور عہدہ داران حکومت اُن سے متعلق اپنی رائے ظاہر کریں گے۔

اس طرح حکومت اور رعایا کے مابین موثر اشتراک عمل جو اسکیم اصلاحات کا مقصد ہے پورا ہوگا۔ ہم حکومت کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اس نے جو اضلاع میں کانفرنسیں منعقد کرنے کا ارادہ کر کے رعایا کی بڑی خدمت کی اور انہیں اپنے سے قریب تر کر لیا۔ جب ضلع کے منتخب اصحاب سال میں ایک بار عہدہ داروں سے مل کر ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھ لیں تو غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ ہمیں ان خوش نصیبوں سے پوری ہمدردی

ہے توہین نہیں چاہتے کہ حکومت اور رعایا ایک دوسرے سے اس درجہ قریب تر ہو جائیں۔

راجہ دھرم کرن بہادر توجہ فرمائیں

تقریباً ایک ماہ قبل ہم نے معتمد تعمیرات راجہ دھرم کرن بہادر کی توجہ شہر کی اس خرابی اور گندگی کی جانب منعطف کرائی تھی جس کی وجہ سے نہ صرف امراض پھیل رہے ہیں بلکہ آئے دن سڑکوں پر حادثات بھی وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ ہمارا اشارہ ان موریوں اور نالیوں کی جانب ہے جو کسی بلدیہ نے کھود رکھی ہیں۔ لیکن جس کو آج تک انہیں بند کرانے کو خیال نہ ہوا۔ ہمیں علم نہیں کہ آیا ہماری یہ آواز معتمد تعمیرات کے کانوں تک پہنچی یا نہیں۔ اگر پہنچی ہے تو صاحب موصوف نے کیا کارروائی فرمائی۔ ہم بلدیہ کے ایک ناظم کی حیثیت سے ارباب متعلقہ کو دوبارہ اس جانب متوجہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ شہر کی بدنمائی سے قطع نظر امراض کی اشاعت اور اس پر مستزاد وہ حادثات ہیں جن سے ہر روز سیکل نشین حضرات کو آئے دن سابقہ پڑتا رہتا ہے بعض حادثے وقتاً فوقتاً بھی سننے میں آتے ہیں۔ ایک غریب بارات کے وقت ایک ایسی گڑھے میں گری جہاں نکر ڈریج نے غار کھود رکھے ہیں اس غریب بڑھیا کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ دار بار نکر ڈریج بھی ایک شی ہے جو غار کھود دیا جاتا ہے مگر بند کرنا نہیں جانتا اس غریب کو بڑھیا کو ایک گڑھے میں گرنے سے سخت چوٹ آئی اور وہ صفائی والوں کو برا بھلا کہنے لگی۔ یہ واقعہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ ایسے اور بھی واقعات ہوں گے جو ہمارے علم سے باہر ہیں۔ غرض ہر شہری ان گڑھوں سے تنگ ہے۔ اگر آن کا نکر ڈریج یہ اعلان کر دے کہ عام شہریوں کو ان گڑھوں کے بند کرنے کی اجازت ہے تو ہمیں یقین ہے کہ ہر غریب شہری تین تین مٹھی خاک ان گڑھوں میں ڈال کر اطمینان کا سانس لے گا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہمارا شہر اپنی اصلی حالت پر عود کر آئے گا ــــــ اس حالت پر جبکہ نکر ڈریج کی دخل اندازی نہیں ہوئی تھی۔ سڑکوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ شہر کی سڑکیں اپنی تباہ حالی پر آپ ہی ماتم کناں ہیں ہر طرف گڑھے نکل آئے ہیں۔ موسم کی سڑکوں کی یہ کیفیت ہے کہ سیکلیں مٹی میں دھنس جاتی ہیں۔ شہریوں کی اکثریت سیکل نشین ہے جن کی آسائش کا لحاظ معتمد تعمیرات کو رکھنا چاہیے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آخر سالانہ بجٹ کی رقم کہاں ہوئی؟ ابھی تو بجٹ کی پہلی قسط بھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قلیل مدت میں پورے سال کی گنجائش ختم نہیں کر دی جا سکتی یہاں بر وقت مرمت کرنے میں کیا دشواری ہو گی۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا گتہ دار نہیں مل رہے ہیں یا مزدور؟ حالانکہ گرانی کی وجہ سے دونوں کو بیکاری کی شکایات ہونی چاہئے۔ یہ ایک عجیب معمہ ہے جس کو ہم سلجھانے سے قاصر ہیں۔ خرابی کہیں نہ کہیں ضرور ہے جس کی ذمہ داری افسران نکر ڈریج پر عائد ہوتی ہے۔

اور بلدیہ پر عائد ہوتی ہے اور یہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ راجہ دھرم کرن بہادر کے تحت ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ راجہ صاحب موصوف اپنی گراں بار ذمہ داریوں کا پورا احساس رکھتے ہوئے ہماری اس مخلصانہ گزارش پر بہ عجلت ممکنہ توجہ فرمائیں گے۔

راجہ بہادر کرشناچاری

راجہ بہادر کرشناچاری کی وفات کی اطلاع اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ راجہ بہادر آنجہانی ایک عرصہ دراز تک مملکت آصفیہ کے مشیر قانونی رہ چکے تھے۔ لیکن شاید کم لوگ اس امر سے واقف ہوں گے کہ آنجہانی کو حیدرآباد سے خاص انس تھا۔ جس وقت مسئلہ دکن سے متعلق راقم الحروف نے اخبار "شہر دکن" میں مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا راجہ بہادر نے راقم الحروف کو اپنے ہاں بلایا اور بڑی دیر تک حیدرآباد کے مسائل پر تفصیلی گفتگو کی اس کے بعد راقم الحروف کو آن کے قانونی اور دستوری معلومات کا علم ہوا اور یہ احساس بھی پیدا ہوا کہ وہ ملک و مالک کے بڑے ہی خواہ تھے۔ اگرچہ کچھ عرصہ سے انہوں نے حیدرآباد کی رہائش ترک کر دی تھی لیکن اس کے باوجود حیدرآباد سے ان کی دلچسپیاں ویسے ہی قائم تھیں۔ مرکزی مقننہ کے رکن کی حیثیت سے انہوں نے حیدرآباد کی جو خدمت کی تھی اس کا تذکرہ وہ اپنی خانگی محفلوں میں کبھی کبھی کیا کرتے تھے۔ آنجہانی کے پس ماندوں سے ہم اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

غریبوں کی پکار

غلہ کی گرانی اور اجناس خوردنی کی عدم میسری کی شکایتیں آئے دن بڑھتی جا رہی ہیں سرکاری دکانوں سے کئی گھنٹوں کے مسلسل انتظار کے بعد حاجتمندوں کو لوٹایا جا رہا ہے جوار کا نرخ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ غریب تو غریب متوسط طبقہ بھی بے حد پریشان نظر آ رہا ہے۔ اندیشہ ہے کہ صورت حال نازک تر ہو جائے۔ ملک میں غلہ کی کمی نہ ہونی چاہیئے۔ ربیع کی فصل مختلف اضلاع میں نہایت اچھی ہوئی ہے پچھلے ذخیرے بھی کافی موجود ہیں۔ اب جبکہ غلہ کی برآمد مسدود کر دی گئی ہے کوئی وجہ نہیں کہ اجناس خوردنی بازار میں دستیاب نہ ہوں یہ محض تاجروں کی خود غرضیاں اور نفع اندوزی کی ہوس ہے جو غلہ کو بازار میں آنے سے روک رہی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ حکومت ان حالات سے باخبر ہے اور صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تجاویز پر غور کر رہی ہو گی۔ ہمارے خیال میں اس مسئلہ کا موثر ترین حل صرف یہ ہے کہ غلہ کے چور بازار اور خفیہ ذخائر پر قبضہ کیا جائے اور ان ذخائر کو بازار میں لایا جائے۔ مقبوضہ اجناس کی قیمت سرکاری نرخ پر ادا کر دی جائے۔

ہماری ایک اور تجویز یہ ہے کہ حاصل مالگذاری بشکل زر وصول کرنے کے بجائے بشکل غلہ وصول کی جائے تاکہ درمیانی منافع گیروں کا قلع قمع ہو جائے کیونکہ ان ساری خرابیوں کی جڑ نفع اندوزی ہے۔

غلہ کے ذخائر کو مخفی رکھنے والوں کو سزائیں دینے کے لئے ایک خصوصی عدالت کا قیام بھی ضروری ہے جہاں سرسری تحقیقات کے بعد فوری سزا دی جائے جیسا کہ کرفیو آرڈر کی خلاف ورزی کی صورت میں ہر شہر میں ہوا کرتا ہے۔

ہم اس وقت غیر معمولی حالات سے دوچار ہیں جن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے غیر معمولی تدابیر ہی کارگر ہو سکتی ہیں۔

تحریک کفایت شعاری و پس اندازی

موجودہ جنگ کی پیدا کردہ معاشی مشکلات کے باعث بالآخر تمام ملک میں کفایت شعاری و پس اندازی کی ایک مہم کا آغاز ناگزیر ہو گیا۔ اس مہم کے روح رواں کا مقصد یہ ہے کہ جو اشیاء پر روپیہ صرف کرنے سے احتراز کیجئے جو آپ کے لئے ناگزیر نہیں ہیں اور یہ حقیقتاً بہت ہی مناسب مشورہ اور ذخیرہ کنندوں اور نفع اندوزوں کے خیالی عزائم کو ناکام بنانے کا ایک نہایت ہی موثر طریقہ ہے۔ اس اصول پر عمل کرنے کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ناواجب فوائد اور ناجائز آمدنی کے متمنی ہوش میں آ جائیں گے۔

اعلیٰحضرت بندگان عالی نے کچھ عرصہ قبل اپنی رعایا کو اسی قسم کی نصیحت فرماتے ہوئے شادیوں، تقریبوں اور دوسرے موقعوں پر فضول خرچی کو ناپسند فرمایا تھا اور اب عوام نے بھی غیر ضروری اخراجات سے گریز کرنے کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے۔ مملکت آصفیہ کے بینک داروں کو ہم مشورہ دیں گے کہ وہ پوری تندہی کے ساتھ اس کام کو اپنے ہاتھوں میں لیں اور کفایت شعاری و پس اندازی کے فوائد سے عوام کو آگاہ کریں۔ جاگیرداروں، عہدہ داروں اور خوش حال لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ اس اصول پر عمل کر کے بہتر مثال قائم کریں۔

کچھ عرصہ قبل دفتر مالیات میں منعقدہ ایک جلسہ میں صدر المہام بہادر مالیات نے بھی اسی مقصد کے تحت ایک اپیل کی تھی اور ہمیں توقع ہے کہ اس سلسلے میں کفایت شعاری و پس اندازی کی تحریک جاری کرنے کی جس تجویز پر توجہ دلائی گئی تھی اسے روبہ عمل لانے کے لئے موثر تدابیر اختیار کی جائیں گی۔ (معلومات)

علاقہ نظام ساگر میں نوآبادکاری کی اسکیم

اراضی نہ رکھنے والے کاشتکاروں کے لئے سہولتیں

نظام آباد جو کہ علاقہ تلنگانہ میں اسی نام کے ایک ضلع کا مستقر ہے دار السلطنت سے (۱۰۶) میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ شہر (۴۳) سال قبل ریل کے ذریعہ بلدہ حیدرآباد سے مربوط کیا گیا تھا اور اس وقت سے برابر ترقی کر رہا ہے۔ چاول، جوار، تنباکو اور روغن دار تخم اس ضلع کی خاص پیداوار ہیں اور گڑ بھی پایا جاتا ہے۔ پانچ کروڑ روپے کے مصارف سے مشہور و معروف نظام ساگر پراجکٹ کی تعمیر کے باعث اس علاقہ کو ترقی دینے کے وسیع امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس پراجکٹ کے ذریعہ (۲۵۰۰۰۰) ایکڑ بنجر اراضی قابل کاشت بنائی جا سکتی ہے اور اس طرح مالگزاری میں تقریباً (۳۰) لاکھ روپے سالانہ اضافہ ہو سکے گا۔

کاشتکاروں کے لئے سہولتیں

نظام ساگر کے پانی سے پوری طرح مستفید ہونے کے لئے کاشتکاروں کے واسطے جو سہولتیں فراہم کی گئی ہیں ان میں حسب ذیل خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) حکومت سرکار عالی نے دس سال کی مدت کے لئے (۳) لاکھ روپے سالانہ کاشتکاروں کو تقاوی قرضوں کے طور پر تقسیم کرنے کی منظوری دی ہے۔

(۲) جب خشک اراضی قابل کاشت بن جاتی ہے تو اس پر پہلے سال صرف خشکی دھارا، دوسرے سال چوتھائی تری دھارا، تیسرے سال نصف تری دھارا، چوتھے سال تین چوتھائی تری دھارا اور پانچویں سال کے ختم پر پورا تری دھارا عائد کیا جاتا ہے۔ یہاں باشندوں کے استفادہ کے لئے اس علاقہ میں امداد باہمی کے بنک قائم کئے گئے ہیں۔ کاشتکاروں کو فن کاشتکاری کی بہتر تربیت دینے کے لئے محکمۂ زراعت نے متعدد تجرباتی مزرعے قائم کئے ہیں اور شعبۂ مارکٹنگ بھی مناسب نرخ پر پیداوار فروخت کرنے میں کاشتکاروں کی امداد کر رہا ہے۔

تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے لئے مواقع

نظام ساگر پراجکٹ سے پوری طرح استفادہ کرنے کی غرض سے مختلف محکموں میں تعاون عمل قائم کرنے کے مدنظر ایک مجلس ترقیات قائم کی گئی ہے۔ ایک برقی قوت فراہم کرنے کے لئے تالابی حاصل کرنے کی ایک اسکیم (۲۵۰) میل مجموعی طول کی نئی سڑکیں اور (۱۲) نئے ڈاک بنگلے بھی تعمیر کئے گئے ہیں۔ ضلع نظام آباد کے کئی تعلقوں میں جدید نمونے کے مواضعات بھی بسائے گئے ہیں۔ جہاں کی کاشت کرنے والوں کے لئے بودھن کی نظام شوگر فیکٹری ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی ہے۔ اب بودھن کو ہم پیٹ اسٹیشن سے مربوط کرنے کے لئے (۱۲) میل طویل ریلوے لائن بھی بنائی گئی ہے۔

تجویز ہے کہ اس علاقہ کا کافی وسیع حصہ ایسے تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے لئے مختص کر دیا جائے، جو زراعت کرنے پر آمادہ ہوں اور ان کے لئے اس پیشہ کو آسان بنانے کے لئے تمام ضروری سہولتیں بھی فراہم کی جائیں گی۔

نوآبادکاری کی اسکیم

علاقہ نظام ساگر میں کاشتکاروں، زرعی مزدوروں اور کاریگروں کی تعداد بڑھانے کے لئے نوآبادکاری کی ایک اسکیم منظور کی گئی ہے جس کے مطابق ہر سال (۲۵۰) خاندان آباد کئے جائیں گے۔ اب تک اس علاقہ کے (۹۴) مواضعات میں تقریباً (۱۰۰۰) خاندانوں کو ممالک محروسہ کے گنجان آبادی والے علاقوں سے لاکر آباد کیا گیا ہے۔ اراضی نہ رکھنے والے ان خاندانوں کو اس علاقہ میں آباد کرنے کی وجہ سے تقریباً (۸۰۰۰) ایکڑ اراضی زیر کاشت آگئی ہے اور اس نوآبادی پر حکومت نے (۷۰۰۰۰) روپے صرف کئے ہیں۔ اس علاقہ میں (۳۰۰۰) ایکڑ اراضی ضلع نظام آباد کے اراضی سے محروم کاشتکاروں، اچھوت اقوام اور ناکافی اراضی رکھنے والے مزارعین کے لئے مختص کر دی گئی ہے۔ اس طرح مجموعی طور سے (۱۲۰۰۰) ایکڑ اراضی زیر کاشت آگئی ہے۔ نوآبادکاروں کے لئے مکانات بھی فراہم کئے جاتے ہیں اور اس مد کے تحت سالانہ (۶۰۰۰۰) روپے صرف ہوتے ہیں۔ گیارہ نئی بستیاں بسائی گئی ہیں۔ ان بستیوں کے لئے تمام ضروری چیزیں فراہم کی گئی ہیں اور دو سو روپے فی مکان کے مصارف سے دو سو مکانات تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ نوآبادکاری کے ضمن میں پست اقوام کے لئے وہی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں جو دوسرے زراعت پیشہ طبقہ کے لئے کی جاتی ہیں۔ اس اسکیم کے مطابق کافی اراضی رکھنے والے ہر ایک نوآبادکار کے لئے جدید نمونہ کا ایک مکان فراہم کیا جاتا ہے۔

ترقیات کی مزید اسکیمیں

زیادہ غلہ اگانے کی مہم کے سلسلہ میں گیہوں کی کاشت کو ترقی دینے، مویشیوں کی نسل کشی کے لئے ایک مویشی خانہ قائم کرنے اور بکریوں کی نسل کشی کے لئے ایک مزرعہ قائم کرنے، اور علاقہ نظام ساگر میں مچھلیاں پالنے کے لئے ایک تالاب بنانے کی اسکیمیں مجلس ترقیات نظام ساگر کے زیر غور ہیں اور اس نے یہ بھی سفارش کی ہے کہ جو کاشتکار گیہوں کی کاشت میں مصروف ہیں انہیں (۲۰) روپے فی ایکڑ کے حساب سے امداد دی جائے تاکہ وہ ابتدائی ضروریات کی تکمیل کر سکیں۔

جنگ کے بعد ایک عالمی تنظیم کی ضرورت

جنرل اسمٹس کا بیان

کیپ ٹاؤن، ۱۷ فروری۔

جنرل اسمٹس نے بیان کیا کہ جنگ کے بعد قیام امن کے لئے ایک عالمی تنظیم کی شدید ضرورت ہے لیکن انہوں نے یہ بیان کیا کہ یہ تنظیم مجلس بین الاقوام کے مقابلہ میں زیادہ موثر ہونی چاہیے۔

اسمٹس ایک صحافتی نامہ نگار کے ان سوالات کے جوابات دے رہے تھے جن کا تعلق مابعد جنگ کے مسائل سے ہے۔ ایک سوال یہ تھا کہ آیا برطانوی سلطنت اور ممالک متحدہ امریکہ جنگ کے بعد بین الاقوامی امن کی حفاظت کریں گے، جیسا کہ وہ اب کر رہے ہیں، اور کیا اس قسم کے اتحاد عمل سے اتحادی اقوام کو فائدہ ہوگا؟

انہوں نے جواب دیا کہ یہ درست ہے کہ برطانیہ اور دیگر کے مابین جو اتحادی اقوام کے مابین تعلقات ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاشی مسائل اور خارجی پالیسی متعلقہ مسائل میں مسابقت کے باوجود اتحاد عمل قائم رہے گا۔ میں باور کرتا ہوں کہ اس قسم کا اتحاد عمل مستقبل میں عالمی امن کا بہترین ضامن ثابت ہوگا اور غالباً یہی ایک یقینی گیارنٹی ہے۔

دوسرا سوال مابعد جنگ کی دنیا میں محوری اقوام کی پوزیشن کے متعلق تھا۔ کیا ان کو مساوی اساس پر حصہ لینے کی اجازت ہوگی؟

اس سوال کا جواب اسمٹس نے اس طرح دیا کہ اگر محوری دول ہتھیار ڈالدیں اور اگر مستقبل میں ان کے صلح جو ہونے کے متعلق نہایت احتیاط کے ساتھ پیش بندی کی جائے گی تو معاشی اور مالیاتی ضروریات کی سپلائی کے سے وہ اتحادی اقوام کے ساتھ حصہ لے سکیں گے۔ دنیا کے بازار سے ان کو نکال باہر کرنے کی ہر قسم کی پالیسی سے نہ صرف عالمی بحالی متاثر ہوگی بلکہ اس کی وجہ سے زیادہ دشواریاں بھی پیدا ہوں گی۔ (اورینٹ)

برت کے بعد

مسٹر گاندھی کا اکیس دن کا برت ختم ہو چکا۔ قصر آغا خان کے دروازے بیرونی دنیا کے لئے بند ہو گئے۔ اہل ہند اس خیال سے خوش ہیں کہ مسٹر گاندھی اس آزمائش میں زندہ رہے۔ ان کے نزدیک مسٹر گاندھی کا زندہ رہنا مستقبل کے لئے خوش آئند ہے۔

فاقہ کی نسبت حکومت نے یا دوسرے لوگوں نے جو خیال کیا ہو اس سے قطع نظر مسٹر گاندھی نے فاقہ اس لئے شروع کیا تھا کہ وہ زندہ درگور رہنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ "ناانصافی" کو زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ان الزامات کا جواب دینے کے لئے سہولتیں چاہتے تھے جو ان پر اور کانگریس پر لگائے گئے تھے اور گزشتہ اگست سے جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان کی روشنی میں صورت حال پر از سر نو غور کرنا چاہتے تھے۔

اس واقعہ سے قطع نظر کہ اس فاقہ سے انہیں رہائی نہیں دی گئی اس سے مذکورہ بالا مقاصد حاصل ہو گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ مسٹر گاندھی کے نقطۂ نظر سے اس فاقہ نے کوئی اہم نتائج پیدا نہیں کئے حتی کہ وہ اپنے مخالف کے ضمیر کو تک متاثر نہ کر سکے۔ لیکن مسٹر گاندھی اس خیال پر اکتفا کریں گے کہ فاقہ کے مقصد کے لئے یہ کافی تھا کیونکہ وہ اس کو تزکیۂ نفس سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ "یہ اعلیٰ ترین عدالت انصاف سے اپیل ہے۔"

سیاسی فاقہ

بہرحال عوام اس فاقہ کو باطنی چیز نہیں تصور کریں گے جیسا کہ مسٹر گاندھی سمجھتے رہیں۔ عوام کے نزدیک یہ ایک سیاسی فاقہ تھا۔ اور اس حد تک وہ سیاسی نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہا اس کو ناکام ہی سمجھنا چاہئے۔ وہ دہلی اور وائٹ ہال کو متاثر نہ کر سکا اور اقوام متحدہ کے دوسرے ارکان پر بھی کوئی خاص اثر نہ ڈال سکا۔ خود ہندوستان میں اگرچہ مسٹر گاندھی کی زندگی کے متعلق کافی تردد پایا جاتا تھا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسٹر گاندھی کے سیاسی مخالفین ان کی رہائی کے مطالبہ میں شریک تھے۔ مثلاً جس انتہائی حد تک مسٹر جناح جا سکے وہ یہی کہ انھوں نے مسٹر گاندھی کی رہائی کی مخالفت نہیں کی۔

پھر بھی یہ کہنا غلط ہوگا کہ یہ فاقہ بالکل ناکام رہا۔ اس کے برعکس اس نے ہندوستان کی سیاسی دنیا میں ایک نفسیاتی تغیر پیدا کیا۔ کانگریس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ حکومت نے انقلابی تحریک کو دبا دیا تھا۔ ہر چیز پر ایک نظر بندی تھی۔ سیاسی زندگی مردہ معلوم ہو رہی تھی۔ اس تعطل سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اس فاقہ نے ایک راستہ پیدا کیا۔

نقطۂ آغاز ۔ بہرصورت ہندوستان کی رائے عامہ کے نزدیک اس برت کا یہ نتیجہ برآمد ہوا۔ گزشتہ ہفتہ جن قائدین کا بمبئی میں اجتماع ہوا تھا ان کا نقطۂ آغاز یہی تھا۔ وہ اس تغیر سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں جو سیاسی فضا میں پیدا ہوا ہے۔ ایک مفہوم میں بمبئی کا اجتماع اس کانفرنس ہی کا ایک سلسلہ ہے جو دہلی میں مسٹر گاندھی کے فاقہ کے دوران میں منعقد ہوئی تھی اور جس میں ان کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ دہلی میں ان قائدین نے مسٹر گاندھی کی غیر مشروط اور فوری رہائی کا مطالبہ کیا تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مسٹر گاندھی کی جان بچانے کا یہی ایک طریقہ ہے لیکن اب مسٹر گاندھی اس نازک صورت حال سے نکل گئے اور اب ان کی جان بچانے کے لئے رہائی کا مطالبہ کرنے کا کوئی سوال نہیں۔ اس وقت مسئلہ بالکل سیاسی ہے۔

اس وقت ایک اور فرق یہ پیدا ہو گیا ہے کہ وزرائے ہند نے لیڈروں کی اپیل کا جو جواب دیا تھا وہ ایسے جدید عنصر کے فقدان پر مبنی تھا جو حکومت کے اس عزم میں تبدیلی پیدا کر سکے کہ وہ تشدد کے آگے سر جھکانے تیار نہیں۔ یہ "تشدد" اب باقی نہیں رہا۔ اور اب "سر جھکانے" کا سوال بھی باقی نہیں۔ حکومت کامیابی کے ساتھ اپنے عزم پر جمی رہی۔ پس فاقہ کے ختم کے بعد صورت حال وہ نہیں رہی جبکہ مسٹر گاندھی کی جان خطرہ میں تھی۔ اس کانفرنس کے بعض بانیوں کا یہ خیال ہے کہ حکومت کے حسن سلوک کو کمزوری پر محمول کرنے کا امکان نہیں ہے۔ ایک رکن نے کہا کہ "وقار کا تصور موجود نہیں ہے۔ دور اندیش تدبر سے کام لینے کے لئے کافی گنجائش ہے۔"

جدید عنصر

لیکن صورت حال میں نئی چیز کیا ہے؟ دہلی میں جو مطالبات پیش کئے گئے تھے ان کے علاوہ اب کیا مطالبہ پیش کیا جا سکتا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے اور اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ ایسی حکومت جو مسٹر گاندھی کی جان خطرہ میں پڑنے کے وقت متاثر نہ ہو سکی وہ مسٹر گاندھی کے بچ جانے کے بعد کیسے متاثر ہو سکتی ہے۔ بہرحال اس کانفرنس کے بانیوں کا ادعا ہے کہ اس فاقہ سے ایک نیا عنصر پیدا ہوا ہے۔ اس نفسیاتی تغیر سے قطع نظر جس کا اوپر ذکر کیا گیا بانیان کانفرنس سمجھتے ہیں کہ یہ وقت سیاسی صورت حال پر از سر نو غور کرنے کے لئے بہت موزوں ہے اور صورت حال کو برقرار رکھنا یا اس میں ابتری پیدا ہونے دینا مناسب نہیں۔ ان میں سے بعض افراد جنہیں مسٹر گاندھی کے برت کے دوران میں گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے وہ مسٹر گاندھی کے ان خطوط کی جو وائسرائے کو لکھے گئے تھے یہ تعبیر کرتے ہیں کہ مسٹر گاندھی عدم تشدد پر عمل سے قائم ہیں اور وہ تشدد کے ان مظاہروں کو ناپسند کرتے ہیں جو گزشتہ چند ماہ میں رونما ہوئے ہیں اور یہ کہ مسٹر گاندھی کانگریس کی پالیسی کو از سر نو تشکیل دینے کے لئے آمادہ ہیں۔

اس خواہش کے تحت کہ ہندوستان کی سیاسیات کو اس کی عام حالت پر لایا جائے وہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں جو برت سے پیدا ہوئی ہے۔ اگر حکومت مسٹر گاندھی کو رہا نہ کرے یا مجلس عاملہ کانگریس کے ارکان سے ملنے کا موقع نہ دے تو بانیان کانفرنس چاہتے ہیں کہ ان کو مسٹر گاندھی سے ملنے کی سہولتیں پیدا کی جائیں تاکہ وہ مسٹر گاندھی کو دوسری تدابیر پر غور کرنے اور تعطل کو رفع کرنے کی جانب مائل کریں۔ انہیں یقین ہے کہ اگر مناسب سہولت دی جائے تو مسٹر گاندھی ملک کو موجودہ بحران سے نکال سکیں گے۔ انہیں اندیشہ ہے کہ اگر تعطل جاری رہا تو یہ مساعی جنگ کے لئے مضر ہوگا۔

بمبئی کانفرنس کے بانیوں میں سے بعض کو مسٹر ایمری کے اس بیان سے امید ہو رہی ہے جو انہوں نے گزشتہ ہفتہ پارلیمنٹ میں دیا تھا۔ مسٹر گاندھی کو ارکان عاملہ سے ملنے کی سہولت بہم پہنچانے کی نسبت پارلیمنٹ میں سوال کیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں مسٹر ایمری نے کہا تھا کہ اس مسئلہ پر برت کے دوران میں غور نہیں کیا جا سکتا۔ اب خیال کیا جاتا ہے کہ برت ختم ہو چکا ہے اور ممکن ہے حکومت اس خیال کو پسند کرے کہ جو لیڈر جیل سے باہر ہیں ان کو مسٹر گاندھی سے ملنے کی اجازت دی جائے تاکہ مفاہمت کے لئے کوئی فارمولا تشکیل دیا جا سکے۔

(کنڈینسڈ ۔ ٹائمز آف انڈیا)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

آئینی مشاورتی مجالس میں غیر سرکاری مسلم ارکان کے بجائے صرف تین نام ایسے ہیں جن کا فی الحال مجلس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (قائد ملت)

جناب کو تھوڑی سی غلط فہمی ہوئی ہے۔ تین کو تین سے ضرب دیجئے جو حاصل ضرب ہو وہ عدد ان غیر سرکاری مسلم ارکان کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے جن کا فی الحال مجلس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر قائد ملت اس عدد کو چیلنج کریں تو آئندہ اشاعت میں ان کی فہرست شائع کر دی جائے گی۔

اصلاحات کانفرنس اور آئینی مشاورتی کمیٹیوں کی تجویز خود مجلس کی پیش کردہ ہے۔ (قائد ملت)

اتنی انکساری کیوں برتی جا رہی ہے۔ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیا جاتا کہ اصلاحات کی مکمل اسکیم بیت الامت بیگم بازار میں مرتب ہوئی۔

میں مقرر کردہ ارکان کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ فی الحال ان مجالس میں شرکت کی دعوت کو قبول کریں۔ (قائد ملت)

تیل جلالہ

آئینی مشاورتی مجالس میں بعض ناموں کو غائب پا کر ہمیں بہت دکھ ہوا۔ مثلاً سیاسیات کی کمیٹی میں جو ممتاز یار الدولہ کو شریک نہ کرنا اگر صریح ظلم نہیں تو کیا ہے؟ اسی طرح صحت عامہ کی کمیٹی میں حیدرآباد کے نہ جوڑے جانے رکن المعروف بہ مرزا ٹنگ جنگ کو کیوں نہیں شریک کیا گیا۔ الیاتی کمیٹی یا صنعت و حرفت کی کمیٹی میں نواب ابو سعید خان رضاعی کو لیا جا سکتا تھا۔ اور مذہبی کی کمیٹی میں مولانا اکبر علی صاحب مجفف کے علاوہ پنڈت باقی کشن پرشاد سکسینہ آزادی کو لینا متنازعہ افراد کی صلاحیتوں سے چشم پوشی کرنے کے برابر ہے۔ ان جملہ فرد گذاشتوں میں سب سے بڑی فرد گذاشت یہ ہوئی کہ مالیاتی کمیٹی کے سرکاری ارکان کی فہرست سے مولوی سید عبدالرزاق صاحب رشید ... نیوز پیپٹ اگزامنر آف سیول سپلائز ... کو نام غائب ہے۔ حکومت کی اس فرد گذاشت پر ہم جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ اس سے

قطع نظر مجلس زرعی کی رکنیت کے لئے کیا نواب اقبال علی خان کے حقوق فراموش کئے جا سکتے تھے۔ اور سب سے بڑا غضب تو یہ ہے کہ خواتین کی نمائندگی کا سہرا محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ سے چھین لیا گیا۔ ان واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت بعض اشخاص سے مرعوب ہو گئی ہے۔ مرعوبیت اور حکومت ساتھ ساتھ نہیں چلا کرتے۔

حکومت ہند اغذیہ کمشنروں کا تقرر کرنے والی ہے۔ (ایک خبر)

کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ اغذیہ کمشنر ہندوستانی ہوں گے۔ یہ سب کے سب یورپ سے بلائے جا رہے ہیں۔ اناج ہندوستان کا اور بانٹنے والے باہر کے۔ ہندوستانیوں کو ہندوستانی اناج کیسے تقسیم کر سکتے ہیں جب کہ ان میں آپس میں پھوٹ ہے۔

"سماج" مشیر وکن نے "امتحان پیش و پٹواریان" پر اظہار خیال کرتے ہوئے اردو کی مخالفت کا ایک انوکھا طریقہ اختیار کیا ہے چنانچہ سماج موصوف تحریر کرتا ہے کہ:

"امیدواروں پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ مقامی زبان کے علاوہ اردو زبان میں ایک لیاقت پیدا کر لیں کہ مضمون زبان ملکی کا ترجمہ اردو میں مضمون اردو کا ترجمہ مقامی زبان میں کر سکیں۔ اس سے پہلے اس امتحان کے اغراض کے لئے صرف یہ کافی قرار دیا گیا تھا کہ امیدواران ابتدائی نوشت و خواند زبان ملکی کی لیاقت رکھے۔ ظاہر ہے کہ زبان ملکی سے مراد یا مقامی ہے جو اصلاح ملک سرکار عالی کے لئے یا تلنگی ہو گی یا مرہٹی یا کنڑی۔"

ہم سماج موصوف کے اس انکشاف پر کہ اردو ملکی نہیں بلکہ ایک غیر ملکی زبان ہے دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ سماج موصوف اپنی آئندہ اشاعت میں یہ واضح کر دے گا کہ اردو کہاں سے لائی گئی ——— افغانستان سے یا چین و جاپان سے۔

ڈاکٹر سہارا سن نے ایک صحافتی بیان دیتے ہوئے کہا کہ "ہم کہتے ہیں وہ مجھوں نے کانگریس اور لیگ کے مجھوتے سے متعلق مسٹر راجگوپال چاری کی راہ اختیار کی ہے مسلم لیگ کے جائز مطالبات کو قبول کروانے کی کوشش کی اور اب بھی کوشش کرنے تیار ہیں۔ ایسے دن پھر یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہمیں مسٹر جناح سے اور ملک کے آئندہ مفاد سے دلچسپی رکھنے والے کی حیثیت سے یہ اپیل کرنا ہے کہ وہ گاندھی جی اور اراکین مجلس عاملہ کانگریس کو رہا کرا کے مسئلہ کے لئے اقدام کریں۔"

کیا اب مسٹر جناح کو بھی بندت رکھنے کی ترغیب دی جا رہی ہے؟

جنگ کے تجربہ سے اہل افغانستان کے لئے برکت پیدا ہو گی۔ (ترجمان ملت)

اس کو معیاری اردو کہتے ہیں۔ ادارہ ادبیات اردو توجہ دے۔

کل ہند و پاکستانی مسلم لیگ کا یہ اجلاس کئی لحاظ سے اہم ترین ہو گا جس میں آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کے لئے ایک واضح اور جامع شاہراہ عمل تجویز کی جائے گی۔ اسٹیٹس کل ہند و پاکستانی مسلم لیگ تو گویا اب تک ایک غیر واضح اور گمراہ کن راہ عمل اختیار کئے ہوئی تھی۔ ہماری دعا ہے کہ خدا اس ادارہ کے کارکنوں کو صراط مستقیم اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حیدرآباد اسٹوڈنٹس یونین کے معتمد نے گورنمنٹ ہائی اسکول چادر گھاٹ کے طلبہ کے حالیہ ہنگامہ کی نسبت ایک بیان جاری کیا تھا۔ ایک طالب علم نے ہم سے دریافت کیا ہے کہ اس یونین کا دفتر کہاں ہے۔ دفتر کا تو ہمیں بھی پتہ نہیں البتہ ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ عابد روڈ کے کسی ایک چائے خانہ میں ہر شام اس یونین کے اجلاس منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ دروغ برگردن راوی۔

اپنی ایک حالیہ تقریر میں مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے فرمایا کہ سود خوار کبھی قوم پرست نہیں ہو سکتا۔ اس کی توجیہ مولانا نے یہ کی کہ قوم پرست وہ ہے جو اپنی قوم کا ہمدرد ہو اور سود خوار وہ ہے جو خود اپنی قوم پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈالے اور قوم کا خون چوسے ان دو متضاد صفات کا ذات واحد میں اجتماع ناممکن ہے۔

ہمیں یہ توجیہ بہت پسند آئی۔ اب آئندہ سے اقرار سود خوار قوم پرستی کا دعویٰ کم از کم ہمارے سامنے نہ کریں۔

اسی تقریر میں مولانا نے ایک اور مزے کی بات یہ بھی کہی کہ سود کھانے والا انسان صرف پولیس کانسٹبل کے سامنے انسان رہتا ہے۔ قانون کی نظر سے بچتے ہی عام انسانیت سے باہر ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہی انسان جو کہیں انسان رہ سکتا ہے جو حاضر و ناظر خدا پر ایمان رکھتا ہو۔ اس کی وجہ اکبر الہ آبادی نے یہ بیان کی تھی ——

جو ان جاتا ہے یورپ سماں ایک کو

میں خدا سمجھا ہے اس نیرگی کو ...

ممالک محروسہ میں ضلع کانفرنسیں

تاریخ اور مقام

ضلع کانفرنس نلگنڈہ	(مستقر نلگنڈہ)	۱۹ ر ۲۰ ر ۲۱ اردی بہشت	م ۲۳ ر ۲۴ ر ۲۵ مارچ
ضلع کانفرنس عادل آباد	(مستقر عادل آباد)	۱۹ ر ۲۰ اردی بہشت	م ۲۳ ر ۲۴ ر ۲۵ مارچ
ضلع کانفرنس بیدر	(مستقر بیدر)	۵ ر ۶ خورداد	م ۱۰ ر ۱۱ اپریل
ضلع کانفرنس ناندیڑ	(مستقر ناندیڑ)	۱۳ ر ۱۴ خورداد	م ۱۸ ر ۱۹ اپریل
ضلع کانفرنس پربھنی	(مستقر پربھنی)	۱۶ ر ۱۷ خورداد	م ۲۱ ر ۲۲ اپریل
ضلع کانفرنس رائچور	(مستقر رائچور)	۱۹ ر ۲۰ خورداد	م ۲۴ ر ۲۵ اپریل
ضلع کانفرنس اورنگ آباد	(مستقر اورنگ آباد)	۲۴ ر ۲۵ خورداد	م ۲۹ ر ۳۰ اپریل
ضلع کانفرنس بیڑ	(مستقر بیڑ)	۲۴ ر ۲۵ خورداد	م ۲۹ ر ۳۰ اپریل
ضلع کانفرنس گلبرگہ	(مستقر گلبرگہ)	۲۶ ر ۲۷ خورداد	م یکم ر ۲ مئے
ضلع کانفرنس نظام آباد	(مستقر نظام آباد)	۲۸ ر ۲۹ خورداد	م ۳ ر ۴ مئے
ضلع کانفرنس کریم نگر	(مستقر کریم نگر)	۳۰ ر ۳۱ خورداد	م ۵ ر ۶ مئے
ضلع کانفرنس عثمان آباد	(مستقر عثمان آباد)	۳ ر ۴ تیر	م ۹ ر ۱۰ مئے
ضلع کانفرنس محبوب نگر	(مستقر محبوب نگر)	۴ ر ۵ تیر	م ۱۰ ر ۱۱ مئے
ضلع کانفرنس سنگاریڈی	(مستقر سنگاریڈی)	۹ ر ۱۰ تیر	م ۱۵ ر ۱۶ مئے

جامعہ عثمانیہ

نامہ نگار نیویارک ہیرالڈ ٹریبیون کے تاثرات

حیدرآباد ۵ اردی بہشت مس سونیا ٹمارا جنگی نامہ نگار "نیویارک ہیرالڈ ٹریبیون" جو امریکہ سے بذریعہ طیارہ ہندوستان آئی ہیں اور جو بمبئی سے مسٹر ولیم نیلس کے ہمراہ حیدرآباد کی سیاحت کے لئے نکلی ہیں وہ ایجنٹا اور ایلورہ دیکھتے ہوئے پرسوں وارد حیدرآباد ہوئیں۔

مس سونیا ٹمارا نے آج صبح ۹½ بجے "دکن نیوز" سے ایک ملاقات میں حیدرآباد سے متعلق اپنے ارتسامات کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ "یہ ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ہے جس کی میں مہمان ہوں۔ شہر جاذب نظر ہے۔ خصوصاً جامعہ عثمانیہ دنیا کی ان معدودے چند نمایاں جامعات میں سے ہے جو اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کو برقرار کرتی ہیں۔ میں یہاں مختلف مکاتیب خیال کے افراد سے ملی جن کے دماغ ترقی یافتہ ہیں اور جو اچھے کام کر رہے ہیں"۔

ایجنٹا کی سیاحت پر مس ٹمارا نے کہا کہ "میں واپسی پر ان سے واقفیت سے جا رہی ہوں وہ کتابی شکل میں شائع کروں گی۔ ایجنٹا ایسی چیز نہیں جس کو چند کلمات میں بیان کیا جاسکے یہ آرٹ کا عمدہ خزانہ ہے جس پر ہندوستان کو بجا فخر کرنا چاہئے۔ میں نے دنیا میں کہیں بھی ایسی مصوری نہیں دیکھی۔ دنیا پھر چکی ہوں یونان گئی اور مصر کے شہر کو بھی دیکھا جو مصوری کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے لیکن ساتویں صدی عیسوی کے ان اعلیٰ نمونوں کا کوئی جواب نہیں"۔

جنگ کے آغاز پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ جنگ شروع ہوئی تو اتفاق سے اس وقت میں پولستان میں تھی جب پولستان ختم ہوا تو فرانس چلی آئی اور جب یہ بھی جنگ کی لپیٹ میں آیا تو یونان آئی اور وہاں سے بلقان، افغانستان ہوتے ہوئے ۱۹۴۲ء کے آخر میں فلسطین اور شام کو آگئی اس وقت جنگ اپنی ابتدائی منزل طے کر رہی تھی لیکن جب جاپانیوں نے پرل ہاربر پر حملہ کیا تو اسی زمانہ میں امریکہ کو لوٹ آئی اور وہاں کچھ دن قیام کے بعد ہندوستان آئی۔ اب جنگ پر خیال آرائی کرنا بے وقت ہے۔ روسی جنگ کا حصہ نہایت اہم کچھ چکا ہے ہم

شخص یا جماعت یا چند جماعتوں سے متعلق ہے۔ جو سوال اس وقت امریکہ کے لئے درپیش ہے وہی ہندوستان کے لئے بھی۔ ہندوستان میں سب کو یکجہتی سے رہنا اور اپنے مادر وطن کو بچانا چاہئے"۔

ہندوستان کی داخلی سیاسیات سے متعلق سوال کیا گیا تو مس ٹمارا نے کہا "میں نے اس کا کافی مطالعہ کیا ہے لیکن اس پر اظہار خیال نہیں کروں گی البتہ اتنا کہہ سکتی ہوں کہ پنڈت جواہر لال، مولانا آزاد، راجہ جی، سروجنی نائیڈو، مسٹر جناح، ڈاکٹر ایم۔ اے۔ انصاری اور سر تیج بہادر سپرو سے ملی اور تبادلہ خیال کیا اور جب مسٹر گاندھی نے برت رکھا تو اس وقت میں پونا میں تھی"۔

حیدرآباد کی داخلی سیاسیات اور آئینی اصلاحات کے متعلق سوالات کئے گئے تو مس ٹمارا نے کہا کہ "ابھی میں آپ کے اصلاحات کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ میں نے کتابیں بھی حاصل کرلی ہیں"۔

امریکہ کی سیاسیات اور کانگریس کے انتخابات کے سلسلہ میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا کہ "امریکہ سرگرمی سے جنگ میں حصہ لے رہا ہے اور اس کی سیاسیات سراپا جنگ بن چکی ہیں۔ امریکی کانگریس کے انتخابات کو ایک عرصہ چاہئے ابھی سے اظہار خیال کرنا فضول ہے۔ یہ جنگ کا زمانہ ہے مسائل نازک ہیں۔ یورپ میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں معلوم نہیں کون جیتے گا اور کون ہارے گا۔ انتخابات نومبر ۱۹۴۴ء میں ہوں گے۔ مسٹر روزویلٹ دوبارہ آئیں گے یا ولکی اس کا حل بڑے سے بڑا سیاست داں دریافت نہیں کرسکتا۔ اس وقت امریکہ اور اتحادیوں کے پیش نظر ووٹرز فراہم کرنے کا سوال نہیں ہے بلکہ جنگ کے وسائل کو بہتر بنانا ہے"۔ آخر میں آپ نے کہا کہ "معلوم نہیں ہندوستان کی نظریں جنگ کی بجائے امریکہ کے انتخابات پر اتنی زیادہ جمائی ہوئی کیوں پڑ رہی ہیں"۔

مس سونیا ٹمارا نے کل سہ پہر میں شہزادی نیلوفر سے بھی شرف ملاقات حاصل کیا اور مدرسہ فنون لطیفہ وغیرہ کو بھی معائنہ کیا۔ نیز آنریبل نواب صاحب چھتاری سے بھی ملاقات فرمائی۔ آج دوپہر میں آپ نے راجہ دھرم کرن بہادر صدرالمہام تعمیرات کے ساتھ ظہرانہ کھایا اور شام میں نواب کمال یار جنگ بہادر کے عصرانہ میں شرکت کی کل صبح آپ عثمانیہ زنانہ کالج کا معائنہ کریں گی اور کل شام ناگپور سے ہوتے ہوئے اپنے ہیڈکوارٹر دہلی جائیں گی۔ (دکن نیوز)

عصرانہ

حیدرآباد ۵ اردی بہشت۔ امریکی جریدہ نگار خاتون مس سونیا ٹمارا کے اعزاز میں مسٹر عبداللطیف ایڈیٹر یونائیٹڈ پریس نے کل شام ایک عصرانہ ترتیب دیا جس میں متعدد ممتاز اصحاب کے علاوہ مقامی جریدہ نگاران و مدیران جرائد مدعو تھے۔ (ا۔ پ)

روسیوں نے شہر خارخوف کا تخلیہ کردیا

وسطی محاذ پر روسیوں کی پیش قدمی

ماسکو ۱۶ مارچ روسی سپاہ نے گھمسان اور خطرناک لڑائی کے بعد اعلیٰ کمان کے حکم سے کل شہر خارخوف کو تخلیہ کر ڈالا۔ آج صبح کے روسی اعلامیہ میں مذکورہ خبر کا اعلان کیا گیا ہے۔

آج سے ٹھیک ایک ماہ قبل یعنی ۱۶ فروری روسیوں نے جرمنوں کے سولہ ماہ کے قبضہ کے بعد دوبارہ چھین لیا تھا۔ ایک مختصر بیان میں جرمن افواج جو ستالن گراڈ اور قفقاز سے خارخوف کے جنوب میں دریائے ڈونیز کے خطہ تک پسپا ہو چکی تھیں اپنی افواج کو مجتمع کرکے اور ان گنت تعداد میں جدید ٹینک اور فوجیں لانے کے بعد جوابی پیش قدمی کی۔ منقطہ خارخوف پر شمال مغرب اور جنوب مغربی جانب سے حملہ کرنے کے بعد جرمن روسیوں کو پیچھے ہٹا دینے کے قابل ہو گئے اور روسی فوج کو خارخوف کی اہم مدافعات کی سمت پسپا ہو جانا پڑا۔ ماسکو نے خارخوف کے نقصان کو کم کرکے دکھانے میں کوئی کوشش نہیں کی جیسا کہ

جو کہ برلن میں خارخوف کے گرد یا وسطی روسی محاذ پر جرمن جوابی حملہ کی توقع بھی کی جاتی تھی۔

آج صبح وسطی محاذ کی اطلاع مظہر ہے کہ روسیوں کی پیش قدمی جاری ہے اور روسی افواج آگے بڑھ گئیں ان کا فاصلہ سمولنسک سے ۱۰۰ میل رہ گیا وہ اہم ناکوں کی صورت میں روسی فوج شہر کی سمت بڑھ رہی ہے ایک دریائے دنیپر کے محاذ پر سمولنسک کی سمت …

… کے شمال مغرب میں جرمن روسی لڑائی نے زیر کی ہونی … کے جوابی حملوں کو … کی مدافعات … روسی … جنوب کی سمت … کے جارہے ہیں۔ (رائٹر)

انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

از
جناب سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی

موجودہ زمانہ میں ملکوں اور قوموں کے اور بحیثیت مجموعی دنیا کے معاشی مسائل کو جو اہمیت دی جا رہی ہے شاید اس سے پہلے کم از کم نمایاں طور پر ان کو اتنی اہمیت کبھی نہیں دی گئی۔ "نمایاں طور پر" کا لفظ میں اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ حقیقت میں تو انسان کی زندگی میں اس کی معاش جس قدر اہمیت رکھتی ہے اس کے لحاظ سے ہر زمانہ میں افراد، جماعتوں، قوموں، ملکوں اور تمام انسانوں نے اس کی طرف بہر حال توجہ کی ہے، لیکن آج اس توجہ کو جس چیز نے زیادہ نمایاں کر دیا ہے وہ معاشیات کے نام سے ایک باقاعدہ علم کا بڑی بڑی کتابوں، بھاری بھرکم اصطلاحوں اور پرشوکت اداروں کے ساتھ موجود ہونا اور ساتھ ہی ضروریات زندگی کی پیدائش، فراہمی اور اکتساب کے طریقوں کا پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے چلے جانا ہے۔ ان اسباب سے آج معاشی مسائل پر بحث، گفتگو اور عالمانہ تحقیق کا وہ زور و شور ہے کہ ان کے آگے انسانی زندگی کے سارے مسائل دب کر رہ گئے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس چیز پر دنیا بھر کی توجہات اس طرح مرکوز ہو گئی ہیں وہ بجائے سلجھنے اور صاف ہونے کے اور زیادہ الجھتی اور معمہ بنتی چلی جاتی ہے۔ علم معیشت کی موٹی موٹی اصطلاحوں نے اور معاشیات کے ماہرین کی عالمانہ موشگافیوں نے عامۃ الناس کو اس قدر وحشت زدہ کر دیا ہے کہ وہ غریب ان اعلیٰ درجہ کی فنی بحثوں کو سن کر اس طرح اپنے معاشی مسئلہ کی ہولناکی سے مرعوب اور اس کے حل کی تمام توقعات سے مایوس ہو جاتے ہیں جس طرح ایک بیمار کسی ڈاکٹر کی زبان سے اپنی بیماری کا کوئی موٹا سا لاطینی نام سن کر ہول کھا جاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ جب مجھے ایسی سخت بیماری لاحق ہو گئی ہے تو میری جان کا اب اللہ ہی حافظ ہے۔ حالانکہ ان اصطلاحوں اور فنی بحثوں کا غلاف اتار کر سیدھے سادھے فطری طریقہ سے دیکھا جائے تو انسان کا معاشی مسئلہ بڑی آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے، اور اس مسئلہ کے حل کی مختلف صورتیں جو دنیا میں اختیار کی گئی ہیں ان کے مفید اور مضر پہلو بھی بغیر کسی دقت کے دیکھے جا سکتے ہیں، اور اس کے حل کی صحیح فطری صورت جو کچھ ہو سکتی ہے اس کے سمجھنے میں بھی کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔

اصطلاحات کے چکر اور فنی پیچیدگیوں کے طلسمات نے اس مسئلے کو جس قدر الجھا دیا ہے اس سے زیادہ الجھن اس وجہ سے بھی پیدا ہو گئی ہے کہ انسان کے معاشی مسئلہ کو جو دراصل انسانی زندگی کے عظیم تر مسئلہ کا ایک جز تھا مجموعہ سے الگ کر کے بجائے خود ایک مستقل مسئلے کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا اور رفتہ رفتہ یہ نوبت آ گئی کہ معاش کے مسئلے ہی کو پوری انسانی زندگی کا مسئلہ سمجھ لیا گیا۔ یہ اصل غلطی سے بھی زیادہ بڑی غلطی ہے جس کی وجہ سے اس گتھی کو سلجھانا محال ہو گیا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی امراض جگر کا ماہر انسانی جسم کے مجموعی نظام سے الگ کر کے اور اس نظام میں جگر کی جو حیثیت ہے اس کو نظر انداز کر کے جگر کو اس کے جگر ہونے کی حیثیت سے دیکھنا شروع کر دے، اور پھر اس کو دیکھنے میں اتنا مستغرق ہو کہ آخر کار اسے پورا انسانی جسم بس ایک جگر ہی جگر نظر آنے لگے۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اگر انسانی صحت کے سارے مسائل کو صرف جگریات سے حل کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ مسائل کس قدر ناقابل حل ہو جائیں گے اور آدمی بیچارے کی جان کس قدر شدید خطرے میں مبتلا ہو کر رہ جائے گی۔ اسی پر قیاس کر لیجئے کہ جب معاشیات کو انسانیت کے مجموعہ میں سے نکال کر لیا جائے اور پھر اسی کو عین انسانیت قرار دے کر سارے مسائل زندگی اسی سے حل کئے جانے لگیں تو بجز سرگشتگی اور حیرانی کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

دور جدید کے فتنوں میں سے یہ ماہرین خصوصی کا فتنہ بھی ایک بڑا فتنہ ہے۔ زندگی اور اس کے مسائل پر مجموعی نظر کم سے کم تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ انسان مختلف علوم و فنون کے ایک چشم ماہرین کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ گیا ہے۔ کوئی طبیعیات کا ماہر ہے تو وہ ساری کائنات کا معمہ صرف طبیعیات کے بل پر حل کرنے لگتا ہے۔ کسی کے دماغ پر نفسیات کا تسلط ہے تو وہ اپنے نفسیاتی تجربات و مشاہدات کے اعتماد پر پورا فلسفۂ حیات مرتب کرنا چاہتا ہے۔ کسی اللہ کے بندے کی نظر جنسیات پر جم کر رہ گئی ہے تو وہ کہتا ہے کہ پوری انسانی زندگی بس شہوانیت کے محور پر گھوم رہی ہے حتی کہ خدا کا خیال بھی انسان کے دماغ میں اسی راستہ سے آیا ہے۔ اسی طرح جو لوگ معاشیات میں مستغرق ہیں وہ انسان کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ معاش تیری زندگی کا اصل مسئلہ ہے اور باقی سارے مسائل اسی جڑ کی شاخیں ہیں۔ حالانکہ اصل حقیقت جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک کل کے مختلف پہلو ہیں۔ اس کل کے اندر ان سب کا ایک خاص مقام ہے۔ اور اس مقام کے لحاظ ہی سے ان کی اہمیت بھی ہے۔ انسان ایک جسم رکھتا ہے جو قوانین طبیعی کے ماتحت ہے، اس کے سارے مسائل حل کئے جا سکیں۔ انسان ایک ذی حیات ہستی ہے جس پر حیاتی قوانین جاری ہوتے ہیں اس لحاظ سے وہ علم الحیات کا موضوع ہے مگر وہ نرا ذی حیات نہیں ہے کہ صرف حیاتیات (بیالوجی) ہی سے اس کی زندگی کا پورا قانون اخذ کیا جا سکے۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے غذا کی، پرورش کی اور مکان کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے معاشیات اس کی زندگی کے ایک اہم شعبہ پر حاوی ہے۔ مگر وہ محض ایک کھانے، پینے اور گھر بنا کر رہنے والا حیوان ہی نہیں ہے کہ تنہا معاشیات ہی پر اس کے پورے فلسفۂ حیات کی بنا رکھ دی جائے۔ انسان اپنی نوع کو باقی رکھنے کے لئے تناسل پر بھی مجبور ہے جس کے لئے اس کے اندر ایک زبردست جنسی میلان پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے جنسیات کا علم بھی اس کی زندگی کے ایک اہم پہلو سے تعلق رکھتا ہے مگر وہ بالکل نسل کشی کا آلہ ہی نہیں ہے کہ بس جنسیات ہی کی عینک لگا کر اسے دیکھا جانے لگے۔ انسان ایک نفس رکھتا ہے جس میں شعور اور ادراک کی مختلف قوتیں اور جذبات و خواہشات کی مختلف طاقتیں ہیں۔ اس لحاظ سے نفسیات اس کے وجود کے ایک بڑے شعبہ پر حاوی ہے لیکن وہ از سر تا پا نفس ہی نفس نہیں ہے کہ نفسیات کے علم سے اس کی زندگی کا پورا پروگرام بنایا جا سکے۔ انسان ایک تمدنی ہستی ہے جو عین اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور ہے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر رہے۔ اس لحاظ سے اس کی زندگی کے بہت سے پہلو عمرانیات کے تحت آتے ہیں لیکن محض تمدنی ہستی ہونا اس کا تمام وجود نہیں ہے کہ محض علوم عمرانی کے ماہرین بیٹھ کر اس کے لئے مکمل نظام حیات وضع کر سکیں۔ انسان ایک ذی عقل ہستی ہے جس کے اندر محسوسات سے ماوراء معقولات کی طلب بھی پائی جاتی ہے اور وہ عقلی اطمینان چاہتا ہے۔ اس لحاظ سے علوم عقلیہ اس کے ایک خاص مطالبہ کو پورا کرتے ہیں۔ مگر وہ بجائے خود پورا عقل ہی نہیں ہے کہ محض معقولات کے بل بوتے پر اس کے لئے ایک لائحہ زندگی بنایا جا سکے۔ انسان ایک اخلاقی و روحانی وجود ہے جس میں بھلے اور برے کا امتیاز اور محسوسات و معقولات دونوں سے ماوراء حقیقتوں تک پہنچنے کا داعیہ بھی پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اخلاقیات و روحانیات اس کے ایک اور اہم مطالبہ کو پورا کرتے ہیں، مگر وہ از سر تا پا اخلاق اور روح بھی نہیں ہے کہ مجرد اخلاقیات و روحانیات سے اس کے لئے پورا نظام زندگی بنایا جا سکے۔ دراصل انسان بیک وقت یہ سب کچھ ہے اور ان تمام حیثیتوں کے علاوہ اس کی ایک حیثیت یہ بھی ہے کہ اپنے تمام وجود اور اپنی زندگی کے سارے شعبوں سمیت وہ کائنات کے اس عظیم الشان نظام کا ایک جز ہے، اور اس کی زندگی کا ضابطہ لازمی طور پر اس امر کا تعین چاہتا ہے کہ اس کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے اور اس کا جز ہونے کی حیثیت سے اس کو کس طرح کام کرنا چاہئے۔ نیز اس کے لئے یہ بھی ناگزیر ہے کہ وہ اپنے مقصد زندگی کا تعین کرے اور اسی کے لحاظ سے فیصلہ کرے کہ اسے کس ڈھنگ سے کام کرنا ہے۔ یہ آخری دونوں سوال انسانی زندگی کے بنیادی سوال ہیں۔ انہیں پر ایک فلسفۂ حیات بنتا ہے پھر اس فلسفۂ حیات کے تحت تمام وہ علوم جو دنیا اور انسان سے تعلق رکھتے ہیں اپنے دائرے کی معلومات فراہم کرتے ہیں اور کم و بیش ان سب سے مل کر ایک متوازن مجموعہ بنتا ہے جس پر انسانی زندگی کا پورا کارخانہ چلتا ہے۔

اب یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر آپ اپنی زندگی کے کسی مسئلے کو سمجھنا چاہیں تو اس کے لئے یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے کہ آپ غور و فکر کرتے وقت صرف اسی ایک مسئلہ پر اپنی نظر کو محدود کر کے دیکھیں یا اس خاص شعبۂ حیات کے لئے جس سے وہ مسئلہ تعلق رکھتا ہے ایک قسم کا تعصب لئے ہوئے پورے مجموعۂ حیات پر نظر ڈالیں بلکہ صحیح فہم و ادراک کے لئے آپ کو پورے مجموعے کے اندر رکھ کر اسے دیکھنا ہوگا اور غیر متعصبانہ نگاہ سے دیکھنا ہوگا۔ اسی طرح اگر آپ زندگی کے توازن میں کوئی بگاڑ پائیں اور اس کو درست کرنا چاہیں تو یہ اور بھی زیادہ خطرناک ہے کہ آپ کسی ایک مسئلۂ زندگی کو اصل مسئلۂ زندگی قرار دے کر سارے کارخانے کو اسی ایک پرزے کے گرد گھمانے لگیں۔ یہ حرکت ہے تو آپ اور زیادہ عدم توازن پیدا کر دیں گے۔ صحیح طریقۂ اصلاح یہ ہے کہ غیر متعصبانہ نگاہ سے پورے نظامِ زندگی کو اس کے بنیادی فلسفے سے لیکر شاخوں کی تفصیلات تک دیکھئے اور تحقیق کیجئے کہ خرابی کس جگہ اور کس نوعیت کی ہے۔

انسان کے معاشی مسئلے کو سمجھنے اور صحیح طور پر حل کرنے میں جو مشکل پیش آ رہی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اس مسئلہ کو بعض لوگ صرف معاشیات کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بعض اس کی اہمیت میں مبالغہ کر کے اسے کل مسئلۂ زندگی قرار دے رہے ہیں اور بعض اس سے بھی تجاوز کر کے زندگی کا بنیادی فلسفہ اور اخلاق اور تمدن و معاشرت کا سارا نظام معاشی بنیاد ہی پر قائم کرنا چاہتے ہیں حالانکہ اگر معاشیات ہی کو اساس ٹھیرایا جائے تو انسان کا مقصدِ زندگی اس بیل کے مقصدِ زندگی سے کچھ بھی مختلف نہیں رہ جاتا جس کی تمام سعی و جہد کی غایت یہ ہے کہ ہری ہری گھاس کھا کر خوش و خرم اور تنومند ہو جائے اور کائنات میں اس کی حیثیت یہ قرار پاتی ہے کہ وہ بس چراگاہِ عالم میں ایک آزاد چرندہ ہے۔ اسی طرح اخلاقیات، روحانیات، معقولات، عمرانیات، نفسیات اور تمام دوسرے علوم کے دائروں میں بھی معاشی نقطۂ نظر کے غالب آ جانے سے نہایت شدید عدمِ توازن کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان تجربات زندگی کے نئے معاشیات میں کوئی بنیاد اس کے سوا نہیں ہے کہ اخلاق و روحانیت نفس پرستی و مادہ پرستی میں اور معقولات ماکولات میں تبدیل ہو جائیں، عمرانیات کی ساری تعمیر حقائقِ عمرانی کے بجائے کاروباری اغراض پر قائم ہو، اور نفسیات میں انسان کا مطالعہ محض ایک معاشی حیوان کی حیثیت سے کیا جانے لگے۔ کیا اس سے بڑھ کر انسانیت پر کوئی اور ظلم ہو سکتا ہے ؟

اب اگر ہم اصطلاحی اور فنی پیچیدگیوں سے بچ کر ایک سیدھے سادے طریقے سے دیکھیں تو انسان کا معاشی مسئلہ ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ تمدن کی رفتارِ ترقی کو قائم رکھتے ہوئے کس طرح تمام انسانوں کو ان کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچنے کا انتظام ہو۔ اور کس طرح سوسائٹی میں ہر شخص کو اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق ترقی کرنے اور اپنی شخصیت کو نشو و نما دینے اور کمال لائق تک پہنچنے کے مواقع حاصل رہیں؟ قدیم ترین زمانہ میں انسان کے لئے معاش کا مسئلہ قریب قریب اتنا ہی سہل تھا جتنا حیوانات کے لئے ہے۔ خدا کی زمین پر بے شمار سامانِ زندگی پھیلا ہوا ہے۔ ہر مخلوق کے لئے جس قسم کے رزق کی ضرورت ہے وہ بافراط مہیا ہے ہر ایک اپنا رزق تلاش کرنے کے لئے نکلتا ہے اور جا کر خدا کے رزق میں سے حاصل کر لیتا ہے۔ کسی کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور نہ اس کا رزق کسی دوسری مخلوق کے قبضہ میں ہے۔ تقریباً یہی حالت انسان کی بھی تھی کہ گیا اور قدرتی رزق، خواہ وہ پھلوں کی شکل میں ہو یا شکار کے جانوروں کی شکل میں، حاصل کر لایا۔ قدرتی پیداوار سے بدن ڈھانکنے کا انتظام کر لیا۔ زمین میں جہاں موقع دیکھا ایک سر چھپانے اور پڑ رہنے کی جگہ بنالی۔ لیکن خدا نے انسان کو اس لئے پیدا نہیں کیا تھا کہ وہ زیادہ مدت تک اسی حال میں رہتا۔ اس نے انسان کے اندر ایسے فطری داعیات رکھے تھے کہ وہ انفرادیت چھوڑ کر اجتماعی زندگی اختیار کرے اور اپنی صنعت سے اپنے لئے ان فطری ذرائعِ زندگی سے بہتر ذرائع پیدا کرے جو قدرت نے مہیا کئے تھے۔ عورت اور مرد کے درمیان دائمی تعلق کی فطری خواہش، انسانی بچے کا طویل مدت تک ماں باپ کی پرورش کا محتاج ہونا، اپنی نسل کے ساتھ انسان کی گہری دلچسپی اور خونی رشتہ کی محبت، یہ وہ چیزیں تھیں جو اجتماعی زندگی پر مجبور کرنے کے لئے خود فطرت ہی نے اس کے اندر رکھ دی تھیں۔ اسی طرح انسان کا خود رو پیداوار پر قانع نہ ہونا اور زراعت سے اپنے لئے خود غلہ پیدا کرنا، پتوں سے جسم ڈھانکنے پر قانع نہ ہونا اور اپنی صنعت سے اپنے لئے لباس بنانا، غاروں اور جنگلوں میں رہنے پر مطمئن نہ ہونا اور اپنے لئے خود مکان تیار کرنا، اپنی ضروریات کے لئے جسمانی آلات پر اکتفا نہ کرنا اور پتھر، لوہے، لکڑی وغیرہ کے آلات ایجاد کرنا، یہ بھی فطرت ہی نے اس کے اندر ودیعت کیا تھا، اور اس کا بھی لازمی نتیجہ یہی تھا کہ وہ رفتہ رفتہ متمدن ہو۔ پس اگر انسان متمدن ہوا تو اس نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ عین اس کی فطرت کا تقاضا اور اس کے خالق کا منشا یہی تھا۔ تمدن کی پیدائش کے ساتھ چند چیزیں ناگزیر تھیں۔

ایک یہ کہ انسان کی ضروریاتِ زندگی بڑھیں اور ہر شخص خود اپنی تمام ضروریات فراہم نہ کر سکے بلکہ اس کی کچھ ضرورتیں دوسروں سے اور دوسروں کی اس سے متعلق ہوں۔

دوسرے یہ کہ ضروریاتِ زندگی کا مبادلہ عمل میں آئے اور رفتہ رفتہ مبادلۂ اشیاء کا ایک واسطہ مقرر ہو جائے۔

تیسرے یہ کہ اشیائے ضرورت تیار کرنے کے آلات اور حمل و نقل کے وسائل میں اضافہ ہو اور جتنی نئی چیزیں انسان کے علم میں آئیں ان سب سے وہ فائدہ اٹھاتا چلا جائے۔

چوتھے یہ کہ آدمی کو اس امر کا اطمینان حاصل ہو کہ وہ چیزیں جن کو اس نے خود اپنی محنت سے حاصل کیا ہے، وہ آلات جن سے وہ کام کرتا ہے، وہ زمین جس پر اس نے گھر بنایا ہے، وہ جگہ جس میں وہ اپنے پیشے کا کام کرتا ہے، یہ سب اسی کے قبضہ میں رہیں گی اور اس کے بعد ان لوگوں کی طرف منتقل ہوں گی جو دوسروں کی بہ نسبت اس سے قریب تر ہیں۔

اس طرح مختلف پیشوں کا پیدا ہونا، خرید و فروخت اور اشیاء کی قیمتوں کا تعین اور روپے کا معیارِ قیمت کی حیثیت سے جاری ہونا، بین الاقوامی لین دین اور درآمد و برآمد تک نوبت پہنچنا اور نئے نئے آلات و وسائلِ پیدائش کا استعمال میں آنا، حقوقِ ملکیت اور وراثت کا وجود میں آنا، یہ سب عین مقتضائے فطرت تھا اور ان میں سے بھی کوئی چیز گناہ نہ تھی کہ اب اس سے توبہ کرنے کی ضرورت ہو۔

مزید برآں تمدن کے نشوونما کے ساتھ یہ بھی ضرور تھا کہ:-

(۱) مختلف انسانوں کی قوتوں اور قابلیتوں کے درمیان جو فرق خود فطرت نے رکھا ہے اس کی وجہ سے بعض انسانوں کو اپنی اصل ضرورت سے زیادہ کمانے کا موقع مل جائے اور بعض اپنی ضرورت کے مطابق اور بعض اس سے کم کمائیں۔

(۲) وراثت کے ذریعہ سے بھی بعض کو زندگی کا آغاز کرنے کے لئے اچھے وسائل مل جائیں اور بعض کم وسائل کے ساتھ اور بعض بے وسیلہ کارزارِ حیات میں قدم رکھیں۔

(۳) قدرتی اسباب سے بھی ہر آبادی میں ایسے لوگ موجود رہیں جو کسبِ معاش کے کام میں حصہ لینے اور اسبابِ زندگی کے مبادلہ میں شریک ہونے کے قابل نہ ہوں۔ مثلاً بچے، بوڑھے، بیمار، معذور وغیرہ۔

(۴) بعض انسان خدمت لینے والے اور بعض خدمت انجام دینے والے ہوں اور اس طرح آزادانہ صنعت و تجارت اور زراعت کے علاوہ نوکری اور مزدوری کی صورتیں بھی پیدا ہو جائیں۔

یہ سب بھی بجائے خود انسانی تمدن کے فطری لوازم اور قدرتی پہلو ہیں۔ ان صورتوں کا رونما ہونا بھی اپنی جگہ کوئی برائی یا گناہ نہیں ہے کہ ان کے استیصال کی فکر کی جائے۔ تمدن کی خرابی کے دوسرے اسباب سے جو برائیاں پیدا ہوئی ہیں ان کے اصل سبب کو نہ پا کر بہت سے لوگ گھبرا اٹھتے ہیں اور کبھی شخصی ملکیت کو، کبھی روپے کو، کبھی مشین کو، کبھی انسان کی فطری نامساوات کو، اور کبھی خود تمدن ہی کو کوسنے لگتے ہیں لیکن درحقیقت یہ غلط تشخیص اور غلط تجویزِ علاج ہے۔ انسانی فطرت کے تقاضے سے تمدن میں جو نشوونما ہوتا ہے اور اس نشوونما سے فطرتاً جو صورتیں رونما ہوتی ہیں ان کو روکنے کی ہر کوشش نادانی ہے اور اس کے نتیجہ میں فلاح کی بجائے تباہی و نقصان کا زیادہ امکان ہے۔ انسان کا اصل معاشی مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تمدن کی ترقی کو کس طرح روکا جائے اس کے قدرتی نتائج کو کس طرح بدلا جائے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ تمدن کے نشوونما کی فطری رفتار کو برقرار رکھتے ہوئے اجتماعی ظلم و بے انصافی

کہ کیسے رہ کا جائے اور فطرت کا یہ منشا کہ ہر مخلوق کو اس کا لائق حصہ پہنچے کیونکر پورا کیا جائے، اور ان رکاوٹوں کو کس طرح دور کیا جائے جن کی بدولت بہت سے انسانوں کی قوتیں اور قابلیتیں محض وسائل کے فقدان کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ خرابی کے اصلی اسباب کیا ہیں اور خرابی کی نوعیت کیا ہے۔ نظام معیشت کی خرابی کا نقطہ آغاز خود وہ شخص کا حد اعتدال سے بڑھ جانا ہے۔ پھر دوسرے درجہ میں اخلاق اور ایک فاسد نظام سیاست کی مدد سے یہ چیز نشوونما پاتی ہے یہاں تک کہ پورے معاشی انتظام کو خراب کر کے زندگی کے باقی شعبوں میں بھی اپنا زہریلا اثر پھیلا دیتی ہے۔

ابھی میں آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ محض ملکیت اور بعض انسانوں کا بعض کی بہ نسبت بہتر معاشی حالت میں ہونا یہ دونوں چیزیں فطرت کے مقتضیات تھے اور بجائے خود ان میں کوئی خرابی نہ تھی۔ اگر انسان کی تمام اخلاقی صفات کو ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا اور اگر خارج میں بھی ایک ایسا نظام سیاست موجود ہوتا جو زور و قوت کے ساتھ عدل قائم رکھتا تو ان سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن جس چیز نے ان میں خرابیوں کی پیدائش کا دروازہ کھولا وہ یہ تھی کہ جو لوگ فطری اسباب سے بہتر معاشی حیثیت رکھتے تھے وہ خود غرضی، تنگ نظری، بد مزاجی، بخل، حرص، بددیانتی اور نفس پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ شیطان نے انہیں یہ سکھایا کہ تمہاری اصلی ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت تمہیں ملتے ہیں ان پر تمہیں حقوق مالکانہ حاصل ہیں، ان کے صحیح و معقول مصرف دو ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو اپنی آسائش، آرائش، لطف، تفریح اور خوش باشی میں صرف کرو۔ دوسرے یہ کہ ان کو مزید وسائل معیشت پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کرو، اور بڑے بڑے تو انہیں کے ذریعہ سے انسانوں کے خدا اور ان داتا بن جاؤ۔

اس شیطانی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولتمندوں نے جماعت کے ان افراد کا حق ماننے سے انکار کر دیا جو دولت کی تقسیم میں حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں یا اپنی اصلی ضرورت سے کم حصہ پاتے ہیں۔ انہوں نے یہ بالکل جائز سمجھا کہ ان لوگوں کو فاقہ کشی اور خستہ حالی میں چھوڑ دیا جائے۔ ان کی تنگ نظری نے یہ نہ دیکھا کہ اس وجہ سے انسانی جماعت کے بہت سے افراد جرائم پیشہ بنتے ہیں، جہالت اور رذالت اخلاق میں مبتلا ہوتے ہیں، جسمانی کمزوری اور امراض کا شکار رہتے ہیں، ان کی ذہنی اور جسمانی قوتیں نشوونما پانے اور انسانی تمدن و تہذیب کے ارتقا میں اپنا حصہ ادا کرنے سے رہ جاتی ہیں، اور بالآخر وہ سوسائٹی کو بحیثیت مجموعی نقصان پہنچاتی ہے جس کے وہ خود بھی ایک جزو ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ دولتمندوں نے اپنی اصلی ضروریات پر بے شمار اور غیر ضروری ضروریات کا اضافہ کیا اور بہت سے انسانوں کو جن کی قابلیتیں تمدن و تہذیب کی بہتر خدمت کے لئے استعمال ہو سکتی تھیں اپنے نفس کی خود ساختہ ضرورتوں کے پیدا کرنے میں استعمال کرنا شروع کیا۔ ان کے لئے زنا ایک ضرورت تھی جس کی خاطر فاحشہ عورتوں اور رقاصاؤں اور مغنیوں کا ایک گروہ فراہم ہوا۔ ان کے لئے غنا بھی ایک ضرورت تھی جس کی خاطر گویوں، سازندوں اور آلات موسیقی تیار کرنے والوں کی ایک فوج تیار کی گئی۔ ان کے لئے بے شمار قسم کی تفریحیں بھی ضروری تھیں جن کی خاطر مسخروں، نقالوں، بہروپیوں، داستان گویوں، مصوروں اور تماشہ گروں وغیرہ بہت سے فضول پیشہ وروں کا ایک دوسرا گروہ بنتا گیا۔ ان کے لئے شکار بھی ضروری تھا جس کی خاطر بہت سے انسان کوئی مفید کام کرنے کی بجائے اس کام پر لگائے گئے کہ جنگلوں میں جانوروں کو ہانکتے پھریں۔ ان کے لئے سرور و نشاط اور خود فراموشی بھی ایک ضرورت تھی جس کی خاطر بہت سے انسان شراب، افیون اور دوسری مسکرات کی فراہمی میں مشغول کئے گئے۔ غرض اس طرح ان شیطان کے چیلوں نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا کہ بے رحمی کے ساتھ سوسائٹی کے ایک بڑے حصے کو اخلاقی و روحانی اور جسمانی تباہی میں مبتلا ہونے کے لئے چھوڑ دیا ہو، بلکہ مزید ظلم یہ کیا کہ ایک اور بڑے حصے کو صحیح اور مفید کاموں سے ہٹا کر بیہودہ، ذلیل اور نقصان دہ کاموں میں لگا دیا اور تمدن کی رفتار کو راہ راست سے ہٹا کر ایسے راستوں کی طرف پھیر دیا جو انسان کو تباہی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہو گیا۔

انسانی سرمایہ (HUMAN CAPITAL) کو ضائع کرنے کے ساتھ انہوں نے مادی سرمایہ کو بھی غلط طریقہ سے استعمال کیا۔ ان کو محلات، کوٹھیوں، تفریح گاہوں، ناچ گھروں وغیرہ کی ضرورت لاحق ہوتی تھی۔ مرنے کے بعد زمین میں لیٹنے کے لئے بھی ان کو ایکڑوں زمین اور عالیشان عمارتوں کی حاجت درپیش ہوئی اور اس طرح وہ زمین اور وہ سامان تعمیر اور وہ انسانی محنت جو بہت سے بندگان خدا کے لئے مسکونات کا انتظام کرنے کو کافی ہو سکتی تھی ایک ایک عیاش آدمی کے مستقر اور مستودع پر صرف ہو گئی۔ ان کو زیوروں، نفیس لباسوں، اعلیٰ درجہ کے آلات و ظروف، زینت و آرائش کے سامانوں، شاندار سواریوں اور نہ معلوم کن کن چیزوں کی ضرورت پیش آئی حتیٰ کہ ان ظالموں کے دروازے بھی قیمتی پردوں کے بغیر ننگے رہے جاتے تھے، ان کی دیواریں بھی سیکڑوں اور ہزاروں کی تصویروں سے مزین ہوئے بغیر نہ رہ سکتی تھیں، ان کے گھر کی زمین بھی ہزاروں روپیوں کی قالین اوڑھنا چاہتی تھی، ان کے کتوں کو بھی مخمل کے گدے اور سونے کے پٹے درکار تھے۔ اس طرح وہ بہت سا مواد اور وہ کثیر انسانی عمل جو بہت سے انسانوں کا تن ڈھانکنے اور پیٹ بھرنے کے کام آ سکتا تھا ایک ایک شخص کی نفس پرستی کے لئے وقف ہو گیا۔

یہ تو شیطانی رہنمائی کے ایک حصہ کا نتیجہ تھا۔ دوسرے رہنمائی کے نتائج اس سے بھی زیادہ خراب نکلے۔ یہ اصول کہ اپنی اصلی ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت کسی انسان کے قبضہ میں آ گئے ہوں ان کو وہ جمع کرتا چلا جائے اور پھر مزید وسائل معیشت حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے، اول تو بجائے خود غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا نے معیشت کے اسباب جو زمین پر پیدا کئے ہیں وہ مخلوق کی حقیقی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے پیدا کئے ہیں۔ تمہارے پاس اگر خوش قسمتی سے کچھ زیادہ اسباب آ گئے ہیں تو یہ دوسروں کا حصہ تھا جو تم تک پہنچ گیا۔ اسے جمع کرنے کہاں چلے ہو؟ اپنے گرد و پیش دیکھو گے تو ان زمینوں میں سے اپنا حصہ حاصل کرنے کے قابل نظر نہیں آتے یا ضرورت سے کم پا سکے ہیں، یا جنہوں نے اپنی ضرورت سے کم پایا ہے۔ اگر تم دیکھو کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا حصہ تمہارے پاس پہنچ گیا ہے، وہ حصہ انہیں واپس کر دو۔ تم ان تک پہنچا دو، یہ صحیح کام کرنے کے بجائے اگر تم ان اسباب کو اور زیادہ اسباب معاش حاصل کرنے کے لئے استعمال کرو گے تو فضول ہوگا، کیونکہ بہرحال وہ مزید اسباب جو تم حاصل کرو گے تمہاری ضرورت سے اور بھی زیادہ ہوں گے، پھر ان کے حصول کی کوشش بجز اس کے کہ تمہاری حرص و ہوس کی تسکین کا ذریعہ ہو اور کیا مفید ہو سکتی ہے؟ حصول معاش کی سعی میں تم اپنے وقت، محنت اور قابلیت کا جتنا حصہ اپنی ضروریات زندگی فراہم کرنے کے لئے صرف کرتے ہو وہ تو صحیح و معقول مصرف میں صرف ہوتا ہے، مگر اس واقعی ضرورت سے زائد ان چیزوں کو اس کام میں صرف کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تم معاشی حیوان بلکہ دولت پیدا کرنے کی مشین بن رہے ہو، کیونکہ تمہارے وقت، محنت اور ذہنی و جسمانی قوتوں کے لئے کسب معاش کے سوا اور بہت زیادہ بہتر مصرف بھی ہیں۔ پس عقل اور فطرت کے لحاظ سے یہ اصول ہی سرے سے غلط ہے جو شیطان نے اپنے شاگردوں کو سکھایا ہے۔ لیکن اس اصول پر جو عملی طریقے بنے ہیں وہ تو اس قدر قابل لعنت ہیں کہ ان کے نتائج کا استقصا کرنا بھی مشکل ہے اور ان کا صحیح تجزیہ بھی مشکل ہے۔

زائد از ضرورت وسائل معیشت کو مزید وسائل قبضہ میں لانے کے لئے استعمال کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو سود پر چلایا جائے، دوسرے یہ کہ انہیں تجارتی و صنعتی کاروبار میں لگایا جائے۔ یہ دونوں طریقے اپنی نوعیت میں گو ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن دونوں کے مشترک عمل کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی دو طبقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک وہ قلیل طبقہ جو اپنی ضرورت سے زیادہ وسائل معاش رکھتا ہے اور اپنے وسائل کو مزید وسائل کھینچنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ دوسرا وہ کثیر طبقہ جو اپنی ضرورت کے مطابق یا اس سے کم وسائل رکھتا ہے یا بالکل نہیں رکھتا۔ ان دونوں طبقوں کے مفاد صریحاً ایک دوسرے کے خلاف ہوتے ہیں، بلکہ متحارب۔ ان کے درمیان کشمکش اور نزاع برپا ہوتی ہے اور یہاں انسان کا معاشی نظام جس کو فطرت نے تعاون پر قائم کیا تھا، محاربہ پر قائم ہو کر رہ جاتا ہے۔

(باقی)

مشرق وسطیٰ کی سیاست

بقیہ سلسلہ صفحہ اول

کے اسلحہ خانہ سے مسلح ہو کر وہ جرمنی جیسے ملک کے لئے جس کی طاقت تدریج گھٹتی جارہی ہے ایک زبردست مقابل بن گیا ہے۔ جرمنی کو مشرق وسطیٰ سے دور رکھ کر ترکی نہ صرف اپنے مقامات کو محفوظ کر رہا ہے بلکہ سارے مشرق وسطیٰ کے بھی۔ اگر عراق اور ایران کے لوگ زمانہ امن کے حالات کی طرف غور کریں گے تو اس کا باعث ترکی ہوگا۔ بہرحال جنگ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جس کی تفصیلات سے ہم زیادہ واقف نہیں۔

اس کا سیاسی پہلو بھی بے حد دلچسپ ہے۔ کیونکہ یہیں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ان مابعد جنگ مسائل پر بھی سمجھوتہ ہوا ہے جن کا تعلق ترکی کے مفاد سے ہے۔ ایسے سمجھوتہ پر پہنچنے کے لئے لازمی ہے کہ ترکی اور روس کے تعلقات کو واضح اور بہتر بنانا پڑا ہوگا۔ یہ امر بے حد اہم ہے کیونکہ یہ اول محور سے وہ ترپ کا پتا چھین لیتا ہے جو وہ ترکی کے خلاف چلانا چاہتے ہیں۔ فان پاپن کو اب ایک اور ہتھوا پیدا کرنے کے لئے بے سود سر دھننا پڑے گا۔

ہم جانتے ہیں کہ ترکی کو بلقان کی آئندہ صورت حال سے بہت دلچسپی ہے۔ حال میں ایک برطانوی اخبار کے نمائندہ سے ترکی کے وزیر اعظم سراج اوغلو نے کہا تھا کہ ترکی ممالک بلقان سے متعلق ہر ایسے خیال کا خیر مقدم کریگا جو ترکی اور ریاست ہائے بلقان میں اشتراک عمل کا راست پیدا کرتا ہو۔ انھوں نے کہا کہ بلقان کی نسبت ترکی کی حکمت عملی اس کی خارجی حکمت عملی کی ایک اہم بنیاد رہی ہے۔ یہ پالیسی دوران جنگ کی طرح جنگ کے بعد بھی ممکن ہے قائم رہے بشرطیکہ ریاست ہائے بلقان ایک آزاد منطقہ باقی رہے۔

بلقان کا مستقبل۔

اگر اس خصوص میں ترکی کو ادنا کانفرنس میں طمانیت دی گئی ہو ــــ اور معلوم یہی ایسا ہی ہوتا ہے ــــ تو ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ اقلیم یورپ کے اس رقبہ میں ترکی کو بہت اہم حصہ لینا ہوگا اور اقوام بلقان کی تنظیم اور رہنمائی کا فرض ادا کرنا ہوگا۔ اس کام کے لئے ترکی بہت موزوں ہے کیونکہ جنوب مشرقی یورپ میں صرف ترکی ہی ایک ایسا ملک ہے جو صحیح اتحادی اقتدار اور شاندار حیثیت رکھتا ہے۔

ترکی نہ صرف ریاست ہائے بلقان کی حد تک ایک اہم مشن کو پورا کرے گا بلکہ ان ہدایات کی بھی تعمیل کریگا جو اتاترک نے اپنی سیاسی وصیت میں درج کی ہیں۔ یہ امر فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اتاترک اپنی زندگی میں ترکوں کو ہمیشہ مغرب پر نظر رکھنے کی تلقین کرتا تھا۔

اشتہار بجریہ عدالت دیوانی منصفی تعلقہ کریم نگر

نمبر مقدمہ ۔۔ باجلاس ۔۔ سید محمد قمر الدین منصف کریم نگر

شیخ محمود وغیرہ مدعیان بنام نگم ناراین وغیرہ مدعا علیہم

دعوے

دلاپانے زر نقد مبلغ ۔۔ اصل سود برنا دستاویز ۔۔ بنام پاپا بت پرگنشا قوم ۔۔ عمر دم سال پیشہ تجارت ساکن کریم نگر ۔۔ مدعی علیہ

ہرگاہ مقدمہ مندرجہ عنوان اس عدالت سے تمہارے نام متعدد مرتبہ سمن اجرا کئے گئے ہیں لیکن بوجہ لا پتہ سمن کی تعمیل تمہارے ذات پر نہ ہو سکی پس حسب استدعا مدعیان با تمام حجت ذریعہ ہذا مشتہر کیا جاکر تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ بتاریخ ۔۔ اردی بہشت ۔۔ بوقت ۱۰ بجے اصالتاً یا وکالتاً اس عدالت میں حاضر ہو جواب دہی و پیروی مقدمہ ہذا کیا جائے۔ بصورت غیر حاضری تمہارے خلاف کارروائی ضابطہ عمل میں آئے گی جس کا عذر ازاں بعد مسموع نہ ہوگا۔

آج بتاریخ ۔۔ اردی بہشت ۔۔ بدستخط میرے و مہر عدالت جاری ہوا۔

محمد ۔۔
۔۔ عدالت

سیشن دار

احمد پریس چار مینار میں طبع ہو کر باہتمام سید ... شائع ہوا